فقہی مسالک کے درمیان تطبیق اور شاہ ولی اللہ

نعیم احمد خان

بوائز کالج ملوٹ ضلع باغ، آزاد کشمیر

تطبیق کے معنی ہیں مطابقت پیدا کرنا۔ کہا جاتا ہے طابق فلان فلانا اذا وافقه و عاونه یعنی جب کسی دوسرے سے موافقت ہو اور یہ اس کی معاونت کا باعث ہو تو اسے کہتے ہیں: المطبق من الرجال کے معنی ہوتے ہیں ایسا آدمی جو اپنی رائے سے صحیح معاملہ پا لے۔(۱) تطبیق کے معنی ہوئے۔ دو مختلف آراء میں اپنی رائے سے اس طرح مطابقت پیدا کر دینا کہ دونوں درست معلوم ہوں۔

فقہی مسالک سے مراد مختلف فقہی مذاہب ہیں، جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور ظاہری وغیرہ۔ فقہی مسالک کے درمیان تطبیق سے مراد ہے مختلف فقہی مذاہب میں باہم مطابقت پیدا کرنا۔ احکام اور استنباط احکام کے حوالہ سے اُن میں پائے جانے والے اختلافات کی اس انداز میں وضاحت کرنا کہ اُن کا باہمی تعارض رفع ہو جائے اور اپنی اپنی جگہ سب مختلف افعال درست قرار پائیں۔

ہر فقہی مسلک استنباط احکام کی بنیاد نصوص شرعیہ اور ماخذ و مصادر شرعیہ پر استوار کرنے کا دعویدار ہے، اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ کسی مسئلہ میں نصوص شرعیہ سے وہ معنی مفہوم ہوتا ہے، جو اس نے مستنبط کیا ہے۔ اس لحاظ سے مختلف مذاہب میں مطابقت کا معنی ان کی ایسی وضاحت ہے کہ اُن کا اختلاف دور ہو اور یہ ظاہر ہو کہ کس طرح اور کہاں تک کسی حکم کے بارے میں اُن میں بیان کی گئی مختلف صورتیں صواب پر محصول کئے جانے لائق ہیں۔ یہ موافقت و مطابقت انفرادی طور پر مختلف مسالک کی توجیہات کی صورت میں بھی پیدا کی جا سکتی ہے اور کچھ ایسے اصول و ضوابط بھی وضع کئے جا سکتے ہیں جن کی روشنی میں سب احکام کا جائزہ لے کر ان کے اختلافی مباحث کی توجیہہ کی جا سکے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہی مسالک کے درمیان تطبیق سے مراد ہے:

> ''متعارض اور قوت و ثبوت میں یکساں نصوص و احکام کے درمیان مقررہ چند اصولوں کے ذریعے اس طرح مطابقت و موافقت پیدا کرنا اور ہر ایک کی اس طرح تاویل کرنا کہ دونوں کے درمیان بظاہر تعارض ختم ہو جائے اور دونوں حکم اپنی اپنی جگہ پر صحیح سمجھے جائیں۔''(۲)

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۶۳-۱۷۰۲ء) دہلی کے نواح میں پیدا ہوئے۔ اصل نام احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد عبدالرحیم سے حاصل کی، جو وقت کے بڑے عالم تھے اور مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر کے تعلیم وخدمت دین کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم یہیں پائی۔ کم عمری ہی میں علوم متداولہ میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ بعد ازاں سفرِ حرمین کی سعادت حاصل ہوئی، جہاں لگ بھگ دو سال رہ کر آپ نے ابو طاہر محمد بن ابراہیم المدنی سے حدیث کی تعلیم پائی۔ دوبارہ ہندوستان آئے اور والد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کے فرائض سنبھال لئے۔

کہا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی صرف عربی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے۔(۳) جن میں سے چند ایک بہت معروف ہیں، جیسے حجة الله البالغه، الفوز الكبير فى اصول التفسير، الانصاف فى بيان سبب الاختلاف، تفهيمات الٰهيه، عقد الجيد فى احكام الاجتهاد و التقليد، فيوض الحرمين اور ازالة الخفا عن خلافة الخلفاء وغیرہ۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی دو شرحیں بھی لکھیں۔

فقہی مسالک شاہ ولی اللہ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے احکام ومسائل میں اختلاف کے ساتھ ساتھ مختلف گروہوں میں نزاع کا باعث بھی ہو گئے تھے۔ شاہ ولی اللہ کو اس پر شدید قلق ہوتا تھا۔ خود لکھتے ہیں کہ فقہاء کے اختلافات کی وجہ سے کافی عرصہ تک تشویش میں مبتلا رہا اور جب رفع تشویش کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبور ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہدایت کے لئے دعا کی اور نتیجتاً مؤطا کو اختیار کرنے کا اشارہ ہوا۔(۴)

چنانچہ آپ نے مختلف مذاہب میں پائے جانے والے اختلافات میں تطبیق کی کوشش کی۔ تطبیق بین المذاہب کے ضمن میں آپ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ تطبیق کے حوالہ سے آپ کے زیادہ تر خیالات الانصاف فى بيان سبب الاختلاف، عقد الجيد، حجة الله البالغه، فيوض الحرمين، تفهيمات الٰهيه اور مؤطا کی دونوں شرحوں میں جا بجا ملتے ہیں۔

الانصاف میں لکھتے ہیں کہ لوگ مجھ سے اختلاف صحابہ کے اسباب بابت پوچھتے تھے۔ وقتی طور پر جو کچھ سمجھ میں آتا تھا بتا دیتا تھا۔ پھر:

ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو ایسا معیار سمجھایا جس سے مجھے ان تمام

اختلافات کی وجہ جو ملتِ محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات میں واقع ہوئے، معلوم ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل بھی کر دیا کہ میں ان کی اس طرح وضاحت کروں کہ اس کے بعد کوئی شبہ اور اشکال باقی نہ رہے۔(۵)

شاہ ولی اللہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ فقہاء انسان ہیں، اُن سے خطاء کا بھی امکان ہے۔ ان کی تقلید کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ شریعت کے عالم ہیں۔لیکن اگر اُن کا کوئی حکم نصوص شرعیہ سے مطابقت نہ رکھتا ہو، تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔تفہیمات میں لکھتے ہیں:

انّھا اتفق الناس علی تقلید العلماء علٰی معنی انّھم رواۃ الشریعه عن النبی وانھم علموا مالم تعلم. وانھم اشتغلو مالم نشتغل، فلذالک قلدوا العلماء۔(۶)

لوگ علماء کی تقلید اس لئے کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے احکام شرعیہ بیان کرتے ہیں، اس لئے بھی کہ اُن کے پاس جتنا علم ہے وہ ہمارے پاس نہیں اور اس لئے بھی کہ تحصیل و خدمت دین کو جس طرح انہوں نے اوڑھنا بچھونا بنایا ہے ہم نے نہیں بنایا، یہی وہ وجوہ ہیں جن کے باعث علماء کی تقلید کی جاتی ہے۔

اور عقد الجید میں لکھتے ہیں کہ فقہاء امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ، ثوری وغیرہ مجتہدین جن کے مذاہب نے اُمت میں قبول عام حاصل کیا ہے، سے منقول مسائل اور فتاویٰ کو مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابو داؤد وغیرہ کی احادیث پر پیش کیا جائے۔ جو مسئلہ صراحتاً یا اشارۃً سنت کے موافق ہو اس کو قبول کیا جائے اور جو صراحتاً سنت کا مخالف ہو اس کو رد کر دیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے، اور جس مسئلہ میں احادیث و آثار کا اختلاف ہو اُن میں اجتہاد کے ذریعے تطبیق کی کوشش کی جائے۔(۷)

وصیت نامہ میں اسی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فروع فقہ میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جو حدیث و فقہ کے جامع ہوں اور فقہی تخریجات کو لازماً ہمیشہ کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ جو بات اس کے مطابق ہو اس کو قبول کر لیا جائے ورنہ ’’کالائے بد بریش خاوند‘‘ والا معاملہ کیا جائے (یعنی پھینک دیا جائے) اور یہ یاد رکھا جائے کہ اُمت کسی وقت بھی

مجتہدات فقہاء کو کتاب وسنت کی بنیاد پر جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ وہ متقشف فقہاء جو کسی عالم کی بات کو دستاویز قرار دے کر سنت کے تتبع سے بے پروا ہو گئے ہیں، ان کی بات نہ سنی جائے، اور نہ اُن کو قابل التفات گردانا جائے۔ بلکہ اُن سے دور رہ کر اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ (۸)

شاہ ولی اللہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ اُن میں سے کوئی بھی دوسرے کے طریق سے بالکلیہ مستغنی اور خود مکتفی، یا بذاتِ خود کامل صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہر ایک کو راہ اعتدال اپنانی چاہیۓ۔ اور صحیح مؤقف اختیار کرنے میں کسی جھجک سے کام نہیں لینا چاہیۓ، وہ لکھتے ہیں؟

> فقہاء کے کلام سے کسی مسئلہ کی تخریج اور اس کے لئے عبارت حدیث کا تتبع دین کی اصل بنیاد ہے۔ اور ہر زمانے میں محققین ان طریقوں کو اختیار کرتے رہے، ان میں سے بعض ایک طریق کو کم اور دوسرے کو زیادہ اور بعض ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم اختیار کرتے تھے۔ (یعنی فرق صرف تناسب میں ہوتا تھا) یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ان دونوں طریقوں (طریق اہل رائے وحدیث) میں سے کسی ایک کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ دونوں فریق (اہل حدیث و اہل فقہ) کے لوگو کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اور ایک کی کمی کو دوسرے سے پورا کیا جائے، حسن بصری کا قول ہے، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تمہارا طریق کار صحیح وہ ہے جو دونوں کے بین بین ہے، پس جو اہل حدیث ہے اُسے چاہیۓ کہ جس مسلک کو اس نے اختیار کیا اور اپنا مذہب بنالیا ہے وہ اُسے تابعین اور اُن کے بعد والوں میں جو مجتہدین تھے، کی آراء سے موازنہ کرے۔ اور جو اہل تخریج میں سے ہے اُسے چاہیۓ کہ وہ طریق سنت کے معاملہ میں اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کرے کہ کسی صریح اور ثابت شدہ حدیث کی مخالفت سے بچ رہے، اور جس مسئلہ میں حدیث یا اثر (روایت) موجود ہے اس کے بارے میں حتی الوسع اپنی رائے استعمال نہ کرے۔ اسی طرح کسی محدث کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اُن قواعد کے استعمال میں جن کو ائمہ حدیث نے وضع کیا ہے اور جن

پر شارع کی کوئی نص (صراحت) موجود نہیں ہے، اس کے مقابلے میں کسی حدیث کو ترک کر دے یا کسی قیاس صحیح کو ٹھکرا دے۔ مثلاً ہر ایسی حدیث کا انکار کر دینا جس کے مرسل یا منقطع ہونے کا معمولی سا شائبہ ہو جیسا کہ ابن حزم نے امام بخاری کی روایت کردہ تحریم معارف (نغمہ و ساز) والی حدیث کو رد کر دیا، صرف اس بناء پر کہ اس کی سند کے منقطع ہونے کا امکان ہے۔ حالانکہ یہ حدیث فی الواقع متصل اور صحیح ہے۔(۹)

سفر حرمین سے واپسی پر شاہ صاحب یہ سوچ لے کر آئے تھے کہ مذاہب اربعہ میں تطبیق کی کوشش کی جائے مگر ہندوستان آ کر اس خیال میں اس قدر تغیر ہوا کہ وقتی طور پر یہ خیال صرف حنفی اور شافعی مذاہب کے درمیان تطبیق کی کوشش تک محدود ہو کر رہ گیا۔ مظہر بقا کے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں مذاہب باہم مدمقابل رہے ہیں۔ خاص کر ہندوستان میں حنفیت میں غلو اور شافعیت کے بعد بلکہ تنفر بڑھتا جا رہا تھا۔ آپ نے اس تنفر کو ختم کرنا چاہا، نیز یہ کہ دنیا میں ان دونوں کے پیرو کاروں کی اکثریت بھی ہے۔(۱۰)

چنانچہ آپ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق کی یہ صورت بتائی کہ ان کے متفقہ مسائل پر سختی سے عمل کیا جائے اور مختلف فیہ مسائل میں سے کسی پر بھی عمل درست تصور کیا جائے۔ جس طرح قرآن مجید کی مختلف قرأتوں میں سے ہر ایک درست سمجھی جاتی ہے، یا ان میں سے ایک کو رخصت اور دوسرے کو عزیمت سمجھا جائے، یا انہیں کسی عمل کے دو طریقے سمجھا جائے جس طرح مختلف کفاروں کی ادائیگی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، سب سے زیادہ پیرو بھی ان دو کے پائے جاتے ہیں اور تعنینات بھی انہی دو مذاہب کی زیادہ ہیں۔ اس وقت جو امر ملاء اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے، جو کچھ اُن کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے، اور جس کی اصل نہ ہو اس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہیں تو وہ اس قابل ہیں کہ ان کو دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اگر

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلہ میں دونوں قول تسلیم کئے جائیں اور دونوں ہر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے، یا تو ان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسے قرآن مجید میں اختلاف قرأت کی حیثیت ہے یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہوگا، یا کسی مخمصے سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہوگی، جیسے متعدد کفارات اور اور یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہوگا۔ ان چار پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو ان شاء اللہ تعالیٰ نہیں پایا جائے گا۔(۱۱)

شافعی اور حنفی مسلک میں مطابقت پیدا کرنے کا یہ طریقہ بہت معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر رضا بخاری لکھتے ہیں کہ اس میں کسی ایک مذہب کی جانبداری اور اس کے مخالف مذہب میں نقطہ چینی نہیں پائی جاتی۔ وہ مذاہب کا محاکمہ کرتے ہیں اور ہر ایک کو اس کے افراط وتفریط سے ہٹا کر دونوں کو نقطۂ عدل پر جمع کرنا چاہتے ہیں۔(۱۲)

مذاہب اربعہ میں تطبیق کا جو خیال شاہ صاحب سفر حرمین سے لائے تھے، ہندوستان آ کر وہ حنفی اور شافعی مذہب میں تطبیق تک محدود ہو گیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے مؤطا امام مالک کی شرح المصفٰی میں اس خیال کو اپنایا۔ بلکہ اُن کے علاوہ دیگر مذاہب پر بھی توجہ مرکوز کی۔

مظہر بقا لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنے آپ کو صرف حنفیت اور شافعیت تک محدود نہیں رکھا بلکہ ائمہ اربعہ اور اُن کے علاوہ دوسرے فقہاء اور مجتہدین کے مذاہب نقل کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ اور مختلف فیہ مسائل میں مجتہدانہ طور پر از روئے حدیث کسی ایک مذہب کو ترجیح دی ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علاوہ متقدمین تابعین ومجتہدین کے اقوال کو بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ المصفٰی میں انہوں نے اخراج من السبیلین، نوم، لمس، مرءۃ، مس ذکر، قے اور رعاف وغیرہ کے ناقص وضو ہونے نہ ہونے کے بارے میں حسن بصری کا مذہب جبکہ حامل اور مرفع کی قضائے صوم رمضان کے بارے میں انہوں نے اسحٰق بن راہویہ کا مذہب اختیار کیا کہ وہ اگر چاہیں تو فدیہ دے دیں بغیر قضا اگر چاہیں و قضا کرلیں بغیر فدیہ۔(۱۳)

مختلف مذاہب میں تطبیق کے حوالے سے شاہ صاحب خواجہ محمد امین کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

تمہارا تیسرا سوال کہ فقہی مسائل میں کون سے مذہب پر عمل کرتے ہو؟ اس کا جواب یہ

☆امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

ہے کہ میں مذاہب مشہورہ میں تا بہ امکان جمع کرتا ہوں۔ مثلاً صوم وصلوٰۃ اور وضو و غسل اور حج کے مسائل اس وضع پر واقع ہوئے ہیں جنہیں تمام اہل مذہب صحیح مانتے ہیں۔لیکن یہ جمع وتطبیق ناممکن ہوتی ہے تو میں اس مذہب پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث صریح کے موافق ہوتا ہے۔(۱۴)

فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کے حوالہ سے شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی وضاحت اُن کے فقہی مواقف سے بھی ہوتی ہے۔امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔احناف اس کے قائل نہیں ہیں۔شاہ ولی اللہ اگرچہ مسلک کے اعتبار سے حنفی بتائے جاتے ہیں مگر اس مسئلے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

مقتدی کو چاہئے کہ وہ امام کے پیچھے خاموشی سے سنے۔اگر امام اونچی آواز سے پڑھے تو مقتدی سکتوں میں (یعنی خاموشی سے) پڑھے۔اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہو تو مقتدی کو اختیار ہے چاہے جس طرح پڑھے۔لیکن سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ امام کی قرأت میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔میرے نزدیک یہ نقطۂ نظر اولیٰ ہے اور اس مسئلے کے متعلق جو احادیث مروی ہیں اُن میں توافق وتطابق کی صحیح صورت یہی ہے۔(۱۵)

نماز میں رفع یدین کے بارے میں اختلاف ہے۔امام شافعی اس کے قائل ہیں، احناف قائل نہیں۔شاہ ولی اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں۔ یہی معاملہ ایک رکعت یا تین رکعت وتر پڑھنے کا ہے۔رفع یدین کرنے والا میرے نزدیک نہ کرنے والے سے زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ رفع یدین کی احادیث تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور زیادہ صحیح بھی ہیں۔لیکن انسان کو اس قسم کے مسائل میں اپنے شہر کے لوگوں کو یہ موقع نہیں دینا چاہئے کہ وہ اس کے خلاف ہنگامہ برپا کردیں۔(۱۶)

اسی معاملہ میں ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوران نماز بعض اوقات رفع یدین کرنا اور بعض اوقات نہ کرنا کچھ یوں ہوگا کہ وہ رکوع اور قومہ کے موقع پر رفع یدین مستحب خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات ایسا کیا اور بعض مرتبہ نہ کیا۔(۱۷)

شوافع اور احناف کے ہاں اس بارے میں بڑا اختلاف ہے کہ ماء کثیر کیا ہے اور پانی کتنی

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

مقدار میں ہو تو نجس ہو جاتا ہے، اور کتنا ہو تو پاک ہی رہتا ہے۔ شوافع نے اس کی مقدار قلتین اور احناف نے عُشر فی العشر قرار دی ہے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں طویل بحثیں کی گئی ہیں۔ حالانکہ اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے، جسے قابل اعتماد اور واجب العمل گردانا جائے، البتہ قلتین والی حدیث بلاشبہ زیادہ صحیح اور ثابت ہے۔(۱۸)

عذر کی بناء پر دو نمازیں جمع کرنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف جمع تقدیم یعنی دوسری نماز کے وقت سے پہلے ہی دونوں کو جمع کر لینا یا جمع تاخیر یعنی پہلی نماز کا وقت ختم ہو جانے کے بعد دوسری سے ملا کر پڑھنا، دونوں صورتوں کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مسئلہ نماز ظہر اور نماز عصر کو اور نماز مغرب اور نماز عشاء کو جمع کر کے پڑھنے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کی اجازت دی، لیکن نہ اس پر ہمیشگی کا حکم دیا اور نہ اس کی تاکید فرمائی جیسا کہ سفر میں نماز قصر کی تاکید فرمائی۔(۱۹)

وقت اور حالات کے بدلتے تقاضوں کے تحت اگرچہ مسالک کے درمیان وہ رسہ کشی اور منازعت جو شاہ صاحب کے دور میں یا اس سے کچھ عرصہ بعد تک رہی تھی، آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی ہے۔ لیکن شاہ صاحب کے پیش کردہ افکار و خیالات کو اس نہج پر آگے نہ بڑھایا جا سکا۔ مظہر بقا لکھتے ہیں:

> اُن کا یہ عالمانہ مسلک جو عمل سے کم اور فکر سے زیادہ ہم آہنگ تھا۔ کم مایہ اہل علم کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے ان کے زمانہ والوں نے اس راہ کو اختیار کیا اور نہ اُن کے بعد والوں نے...... حتیٰ کہ خود اُن کی اولاد تک نے قبول نہ کیا۔ اور سب پر نہ صرف عملی بلکہ فکری طور پر حنفیت ہی غالب رہی۔(۲۰)

حواشی

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار الاحیاء التراث العربی ۱۹۹۴ء) ج ۷، ص ۱۲۱، ۱۲۲، بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن) ص ۴۱۹، البستانی، المعلم بطرس، محیط المحیط قاموس مطول للغۃ العربیۃ (بیروت: مکتبہ لبنان ناشرون ۱۹۹۳ء) ص ۵۴۴۔

۲۔ سعد اللہ، حافظ محمد، فقہی مسالک میں تلفیق و تطبیق: تحقیقی جائزہ، تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

اسلامیہ (اسلام آباد: کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۰ء) ص ۱۷۷۔

۳۔ ولی اللہ شاہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مترجم محمد عبیداللہ (لاہور: علماء اکیڈمی، ۲۰۰۲ء) ص ۴۷۔

۴۔ ولی اللہ، شاہ، المصفّیٰ، ج ۱، ص ۳، بحوالہ مظہر بقاء، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۳ء) ص ۳۰۔

۵۔ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۸۔

۶۔ ولی اللہ شاہ، التفهیمات الٰهیه، ج ۱، ص ۲۷۹، بحوالہ سعداللہ، فقہی مسالک میں تطبیق وتلفیق، ص ۱۶۶۔

۷۔ ولی اللہ، شاہ، عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید (قاہرہ: المطبقہ السلفیہ، ۱۳۸۵ھ) ص ۱۷۔

۸۔ بھٹی محمد اسحاق، فقہائے ہند (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۴ء) ج ۵، حصہ دوم، ص ۳۵۸

۹۔ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۶۴، ۶۵۔

۱۰۔ مظہر بقاء، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۲۹۔

۱۱۔ ولی اللہ تفہیمات الٰہیہ، ج ۱، ص ۲۱۱، ۲۱۲، بحوالہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۶

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ مظہر بقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۳۱۔

۱۴۔ رحیم بخش، مولانا، حیاتِ ولی، ص ۳۵۹، بحوالہ سعداللہ، فقہی مسالک میں تلفیق وتطبیق، ص ۱۷۲

۱۵۔ ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۹، بحوالہ بھٹی، فقہائے ہند، ص ۳۶۹۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶۰۔

۱۷۔ ولی اللہ، شاہ، ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ج ۲، ص ۹۳، بحوالہ سعداللہ، فقہی مسالک میں تلفیق وتطبیق، ص ۱۷۳۔

۱۸۔ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۳۱، بحوالہ بھٹی، فقہائے ہند، ص ۳۶۲، سلفی، محمد اسماعیل، تحریک آزادی فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی (لاہور: مکتبہ نذیریہ، ۱۹۶۲ء) ص ۱۲۴۔

۱۹۔ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۲۴، بحوالہ بھٹی، فقائے ہند، ص ۳۶۱۔

۲۰۔ مظہر بقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۲۱۔